اندھا کباڑی

ن ۔ م ۔ راشدؔ

شہر کے گوشوں میں ہیں بکھرے ہوئے
پا شکستہ سر بریدہ خواب
جن سے شہر والے بے خبر!
گھومتا ہوں شہر کے گوشوں میں روز و شب
کہ ان کو جمع کر لوں
دل کی بھٹی میں تپاؤں
جس سے چھٹ جائے پرانا میل
اُن کے دست و پا پھر سے اُبھر آئیں
چمک اُٹھیں لب و رُخسار و گردن
جیسے نو آراستہ دولھوں کے دل کی حسرتیں
پھر سے ان خوابوں کو سمتِ رہ ملے!

''خواب لے لو خواب —''
صبح ہوتے چوک میں جا کر لگاتا ہوں صدا —
''خواب اصلی ہیں کہ نقلی؟''
یوں پرکھتے ہیں کہ جیسے اُن سے بڑھ کر
خواب داں کوئی نہ ہو!
خواب گر مَیں بھی نہیں

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے ہیں، مزید اس طرح کی شاندار، مفید اور نایاب برقی کتب کے حصول کے لیے ہمارے وٹس ایپ گروپ میں شمولیت اختیار کریں
ایڈمن پینل
عبداللہ عتیق : 0347-8848884
حسنین سیالوی : 0305-6406067
سدرہ طاہر : 0334-0120123

صورت گر ثانی ہوں بس ——

ہاں مگر میری معیشت کا سہارا خواب ہیں!

شام ہو جاتی ہے

میں پھر سے لگاتا ہوں صدا ——

مُفت لے لو مُفت، یہ سونے کے خواب ——"

"مُفت" سُن کر اور ڈر جاتے ہیں لوگ

اور چپکے سے سرک جاتے ہیں لوگ ——

"دیکھنا یہ "مُفت" کہتا ہے

کوئی دھوکا نہ ہو؟

ایسا کوئی شعبدہ پنہاں نہ ہو؟

گھر پہنچ کر ٹوٹ جائیں

یا پگھل جائیں یہ خواب؟

بھک سے اُڑ جائیں کہیں

یا ہم پہ کوئی سحر کر ڈالیں یہ خواب ——

جی نہیں کس کام کے؟

ایسے کباڑی کے یہ خواب

ایسے نابینا کباڑی کے یہ خواب!

رات ہو جاتی ہے

خوابوں کے پلندے سر پہ رکھ کر

منہ بسورے لوٹتا ہوں

رات بھر پھر بڑبڑاتا ہوں

''یہ لے لو خواب —''

اور لے لو مجھ سے ان کے دام بھی

خواب لے لو، خواب —

میرے خواب —

خواب — میرے خواب —

خواا،اب —

ان کے داااام بھی ی ی ی —''

☆☆☆

عتیق اللہ*

تجزیہ

ن۔م۔راشد کے یہاں خواب کا لفظ بار بار وارد ہوا ہے۔''ایران میں اجنبی'' سے خواب کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔غالباً''خرابے''وہ پہلی نظم ہے جس میں راشد نے خواب سازی بھی کی ہے،اور المیہ یہ کہ وہ اس تجربے سے بھی گزرتے ہیں جسے خواب شکنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایران میں اجنبی کے بعد''گماں کا ممکن'' کی نظموں تک خواب سازی اور خواب شکنی کا سلسلہ متبادل طور پر جاری رہتا ہے۔اس ضمن میں''میرے بھی ہیں کچھ خواب' ایک غیر معمولی نظم ہے جس کا معنوی کینوس بھی کافی وسیع و بسیط ہے۔اس نظم میں ان کے خواب ذات محض تک محدود نہیں ہیں۔وہ پوری انسانیت کے خواب کے طور پر نمو پاتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب''اندھا کباڑی''میں بھی راشد نے'خواب' کو ایک نئی معنویت کے ساتھ پیش کیا ہے۔یہاں بھی ایک خواب نہیں صیغۂ جمع میں کئی خواب ہیں۔ شاعر کہیں یہ اشارہ نہیں کرتا کہ وہ خواب کیا ہیں،اور ان خوابوں سے بے اعتنائی برتنے پر شہر والوں کو کن نقصانات عظیم کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔بعض دوسری نظموں میں بھی راشد نے اپنے کچھ خوابوں سے پردہ اٹھایا ہے۔وہ کہیں تو آبادیاتی اور استعماری قوتوں کے خلاف انسانی آزادی کے خواب دیکھتے ہیں،کہیں ایک ایسے نظام کا خواب جو ہر طرح کے جبر و تسلط،محکومی اور استحصال سے بری ہو۔ایشیائی عوام کی عمومی بے حسی و بے بسی اور ایک نفس کی دوسرے نفس سے لاتعلقی کے برخلاف ایک ایسی خوب صورت زندگی اور نفیس ترین مستقبل کے خواب بنتے ہیں جو عہد رواں میں بری طرح مخدوش ہو چکے ہیں، کیوں کہ

* ۱۲۵۔سی،بسیرا اپارٹمنٹ،نورنگر ایکسٹینشن،جامعہ نگر،نئی دہلی۔۲۵

عالم انسانیت کی بے پروائی نے انہیں بے مصرف سے کوڑے کرکٹ میں بدل دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب ان خوابوں کی حیثیت محض کباڑے کی چیزوں کے مصداق ہوکر رہ گئی ہے۔

اس نظم کو بہ ظاہر پانچ شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی شق صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہے:

شہر کے گوشوں میں ہیں بکھرے ہوئے
پا شکستہ سر بریدہ خواب
جن سے شہر والے بے خبر

یہ تینوں مصرعے ایک مقدمے کے طور پر پیش سایہ افگنی Fore Shadowing کا کام کرتے ہیں، جو شہر والوں کی خوابوں کی طرف سے غفلت اور بے خبر کے مظہر ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنی قوم یا شہر والوں کے ذہنی جمود اور بے عملی کو راشد نے اپنی اکثر نظموں میں نشانہ بنایا ہے۔ یہاں اس الم ناک طنز کو نمایاں کیا گیا ہے کہ خواب تو ہزاروں ہزار ہیں لیکن انہیں دیکھنے کی تڑپ، چاہت اور ضرورت کسی کو نہیں۔ انسانی عدم توجہی اور مجرمانہ مجہولیت نے انہیں ایک بوسیدہ اور مسخ چیز میں بدل دیا ہے۔ شہر کے ہر گوشے میں وہ کباڑے کی مانند بکھرے پڑے ہیں۔

یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ شاعر نے مجموعاً لوگوں سے خطاب کیوں نہیں کیا، اس کا خطاب شہر والوں سے ہے۔ راشد نے لفظ ''شہر'' کا استعمال بعض دوسری نظموں میں بھی کیا ہے۔ بالخصوص، ایران میں اجنبی میں راشد نے شہر کو ابلتے ہوئے ناسور سے تعبیر کیا ہے۔ میرے بھی ہیں کچھ خواب، شہر ایک ویسٹ لینڈ (خرابے) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نظم بات کر، میں بھی شہر صیغۂ جمع میں اُجاڑ ویرانے ہیں، آوازوں سے خالی ویرانے۔ آواز علامت ہے زندگی کی حرارت وحرکت کی۔

نظم کی دوسری شق اس مصرعے سے شروع ہوتی ہے ؎

گھومتا ہوں شہر کے گوشوں میں روز و شب

جس کا خاتمہ اس مصرعے پر ہوتا ہے ۔

پھر سے ان خوابوں کی سمت رہ ملے

یہاں سے نظم ایک دم 'اندھے کباڑی' کی داخلی گفتار میں بدل جاتی ہے۔ یہ ساتوں سطریں اندھے کباڑی کی سوچ پر مبنی ہیں۔ وہ نہیں کہتا کہ میں نے خواب جمع کر لیے ہیں بلکہ اس نے محض اپنا ارادہ ظاہر کیا ہے کہ:

گھومتا ہوں شہر کے گوشوں میں روز و شب

کہ ان کو جمع کر لوں

گویا اندھے کباڑی کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر روز ان ٹوٹے پھوٹے تُڑے مڑے خوابوں کو جمع کرتا ہے، پھر انہیں دل کی بھٹی میں تپاتا ہے، انہیں ہر اور چھور سے چمکاتا اور پھر سے ان کے دست و پا اُبھارنے یا انہیں تازہ دم کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ خواب پھر سے ایسی مانوس شکل اختیار کر لیں کہ شہر والوں کے دلوں میں ان کو خریدنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگے۔

راشد نے دوسری شق کی آخری سطر اور چوتھی شق کی پہلی سطر کے درمیان ایک سکوتیے SILENCE کی جگہ چھوڑ دی ہے۔ گویا اندھے کباڑی کی داخلی گفتار کے بعد ایک وقفہ اور پھر اندھے کباڑی کے خواب بیچنے کی صدا۔ یہ سکوتیہ سچویشن کی تبدیلی کے لیے بھی ضروری تھا۔ خواب بیچنے کی آواز اور داخلی سرگوشی میں ایک ضد کا پہلو بھی ہے۔ شہ مرگ آثار میں اندھے کباڑی کی آواز حرارت و حرکت کی نمو کے امکان کا اشاریہ بھی ہے۔ صبح سویرے تغافل شعار خلقت کے درمیان خواب لے لو خواب کی صدا اور اندھے کباڑی کی چلت پھرت proairetic code یعنی عمل مظہر کوڈ کی حامل ہے۔ لفظ خواب بذاتِ خود کئی طرح کے سوالات پر مہمیز کرتا ہے اور اس سے زیادہ ایک اندھے کباڑی کا ان خوابوں کو بیچنے کے لیے صبح سے شام تک شہر بھر کے گلی کوچوں میں بھٹکنا اور مایوس لوٹنا۔ اس طرح کے تضادات سوال کے لیے کرید پیدا کرتے ہیں۔ اس صورت حال کر

ہر میٹیاتی کوڈ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جو بیانیہ میں متحیر کرنے والی، مبہم اور رمز آگیں صورت حال کہلاتی ہے۔

یہ تناقض بھی توجہ طلب ہے کہ کباڑی اندھا ہے لیکن وہ تغافل شعاران شہر کے مقابلے میں ایک بے حد فعال کردار کا رول ادا کرتا ہے لیکن سوال یہ اُٹھتا ہے اور یہ سوال بھی ان چار سطروں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے کہ ایک اندھا انسان کسی بھی چیز کو بغیر دیکھے کیسے بنا سنوار سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، وہ دوبارہ ان کے دست و پا بھی ابھارتا ہے۔ خواب، ایک مجرد کیفیت کا نام ہے لیکن کباڑی کے لیے اس کی حیثیت مجسم وجود کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اندھے کے خواب تو صرف سمعی لمسی یا مذوقی حسیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ عام انسانوں کی طرح باصراتی نہیں ہوتے۔ پھر بھی اندھا کباڑی یہ کہتا ہے:

خواب گر میں بھی نہیں
صورت گر ثانی ہوں میں

یہاں، صورت گر ثانی کی ترکیب ایک اندھے کے مقابل میں گہرے طنزیہ آمیز کی حامل ہے۔ گویا اندھا کباڑی تغافل شعار اہل بینش سے زیادہ بصارت اور بصیرت رکھتا ہے۔

چوتھی شق کا آغاز اس سطر سے ہوتا ہے:

شام ہو جاتی ہے

شام یعنی دن کے سارے ہاؤ ہو کے زوال کی ساعت، تکان آمیز ساعت سست رو کا دورانیہ، جب کہ ذہن و جسم اور سارے اعصاب کے لیے ایک سکون آمیز سکوت کی آرزو مندی، شدید حاجت مندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی روز مرہ کے معمولاتی جبر کے تحت اندھے کباڑی میں بھی اضمحلال اور تکان کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وہ اپنے فرضی خریداروں کو رجھانے کے لیے اور جلد سے جلد اپنے مستقر کی طرف لوٹنے کے لیے ان خوابوں کو مفت بانٹنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ پھر بھی ان خوابوں کا کوئی

'لینے والا' نہیں ملتا۔ اہل شہر کو مفت کی فراہمی میں کوئی فریب، کوئی شعبدہ دکھائی دیتا ہے، کیوں کہ بہر حال انہیں بیچنے والا ایک کباڑی تو ہے تس پر اندھا ہے۔ یہاں بھی ایک دوسرے سے نامطابق اور متخالف صورت نمایاں ہے۔ اندھا، نگاہ سے محروم ہے لیکن حقیقت کی تھاہ تک کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جب کہ ارباب بینش، نگاہ رکھنے کے باوجود اس بینائی سے محروم ہیں جو شے کو دیکھنے کی اہل ہے اور نہ شے کی حقیقت کی فہم ان کا مقدر ہے۔

پانچویں شق اس سطر سے شروع ہوتی ہے۔

رات ہو جاتی ہے

جس کا تعلق اندھے کباڑی کی داخلی گفتار ہی سے ہے۔ وہ بڑبڑاتے اور شہر والوں کی بے بصری اور بے حسی کا ماتم مناتے ہوئے اپنے بستر میں دھنس جاتا ہے، لیکن اسے پھر صبح اُٹھنا ہے۔ معمول کے مطابق میلے کچیلے اور ٹوٹے پھوٹے خوابوں پر جلا کاری کرنا ہے، انہیں بیچنے اور پھر مفت دینے کے لیے شہر بھر میں گشت لگانا ہے۔ شام ہونے کے بعد مایوس اور نامراد اپنے مستقر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ گہری نیند میں غرق ہو جانا ہے۔

آخری سطور پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اندھے کباڑی کے لفظوں میں:

"یہ لے لو خواب —
اور لے لو مجھ سے ان کے دام بھی
خواب لے لو خواب
مرے خواب —
خواب میرے خواب
خواااب —
ان کے دااام بھی ی ی ی —"

اندھے کباڑی کی مایوسی کی یہ انتہا ہے کہ وہ خوابوں کو ان کے داموں کے ساتھ دینے کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ بہر حال خوابوں کی دولت سے اپنے شہر والوں کو مالا مال کرنا چاہتا ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور متوجہ کرتا ہے کہ پوری نظم میں اندھا کباڑی کہیں ان خوابوں کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ ''میرے خواب'' ہیں۔ گویا یہ خواب ادھر ادھر سے اکٹھا کیے ہوئے خواب ضرور ہیں لیکن اندھے کباڑی ہی نے انہیں نئی زندگی عطا کی ہے۔ اب وہ ان خوابوں کا ناظر اور Naratee ہی نہیں بلکہ ان کا شکل ساز مصنف بھی ہے۔ خوابوں کی نئی شکل سازی یا جلا کاری کے پیچھے ایک مقصد یہ بھی چھپا ہوا ہے کہ شہر والے ان خوابوں کو پہچان سکیں جو اصلاً انہیں کے بُنے ہوئے ہیں۔ یہ آدھے ادھورے، ادھ کچرے یا خوش تعبیروں سے محروم خواب ہیں، جنہیں شہر والوں نے ناکارہ چیزوں کی طرح کوڑے میں پھینک دیا ہے۔ خوابوں سے محروم قوم پر ان کا مستقبل بھی تنگ ہوتا ہے۔ اندھا کباڑی ان خوابوں کو واپس ان شہر والوں کو سونپنا چاہتا ہے کہ انہیں اپنے حوصلے تازہ دم رکھنا ہیں تاوقتیکہ ان کے خواب اپنی خوش کن تعبیرات نہ پالیں۔

''اندھا کباڑی' ایک ایسے کردار کے طور پر اُبھرتا ہے۔ جیسے کوئی عالم الغیب صوفی مصلح یا پیغمبر ہو۔ جس کی بغل میں کوئی خواب نہیں کتاب ہے۔ جس کے لفظوں پر کان دھرنے والوں کا قحط ہے۔ کتاب دھول میں اَٹ گئی ہے۔ جگہ جگہ سے مسخ ہوگئی ہے۔ ورق ورق بکھر چکا ہے، لیکن ارباب شہر کے مقدرات کا چمکانے اور انہیں نجات کی کوئی راہ سُجھانے کی کلید بھی اسی میں محفوظ ہے۔ شہر والوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی ناکارگیوں، اپنی گمراہیوں اپنی سست رویوں اور مجہولیت پر پوری طرح قانع ہیں۔ شہر والوں سے بھی بڑا المیہ اندھے کباڑی کا ہے، جو صاحب عرفان ہے اور صاحب آگاہ بھی۔ جس کا مقدر عذاب دانش ہے۔ اسے علم ہے کہ سارا شہر ایک ایسے اجتماعی زوال کے دہانے پر مجتمع ہے، جس کے بعد تاریکی، نشیب ہی نشیب، اتلاف ہی اتلاف ہے جو ان کی خود کردگی کے حاصل جمع کے طور پر ان کا مقدر ہے۔

پوری نظم کی فضا بھی شروع سے آخر تک بڑی IRONICAL ہے۔ اس آئرنی کا نظم کا عنوان پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو یہ تاثر دے رہا ہے کہ حقیقت کچھ اور ہے یا جس کا مقصد حقیقت کی پردہ داری ہے یا خواب کے حوالے سے حقیقت اور خواب یا حقیقت اور التباس کے حدود گڈمڈ ہو گیے ہیں۔ خواب اصلی ہیں کہ نقلی؟ یہ سوال بھی اسی صورت حال کی کوکھ سے برآمد ہوا ہے جہاں ہر شے ایک نشان ہے اور ہر نشان دوسرے نشان کا نشان۔ ایک لامتناہی نمائندگیوں کا سلسلہ ہے۔ ہمارے لیے بھی اور اندھے کباڑی کے لیے بھی۔ حقیقت اور التباس کی تشخیص ناممکن ہے۔ گویا اندھے کباڑی کا وہ کردار جسے شہر والوں سے ایک علیحدہ ہستی کے طور پر متشکل کیا گیا تھا اور خود اہل شہر صورت حال کی ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نظم میں صداقت اور حقیقت ڈسکورس ہی کے تشکیل کردہ ہیں، جو محض فرضی ہیں اور لسان کے زائیدہ ہیں۔ نیز جن کی کوئی دائمی قدر نہیں ہے۔

●●●